

# الفراء اور اس کی تفسیر معانی القرآن

احمد خان فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

عربی زبان کے مشہور نحوی الونز کے بانی یحییٰ بن زیاد الفراء کو فہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسب نامہ بہت مختصر مل سکا ہے۔ مذکورہ نگار ان کا سلسلہ نسب یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور تک بیان کرتے ہیں۔ یا قوت حموی اسے منظور کے بعد مروان تک پہنچاتا ہے۔ ابن الندیم نے الفہرست میں کہا ہے کہ فراء کے دادا کا نام قرا یجب تھا مگر یہ نام بالکل ہی غیر مانوس سا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ فراء کے دادا نامی ہوں مگر اہل فارس کے ہاں بھی یہ نام کمپیں نہیں ملتا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ لفظ فراء کے ساتھ کوئی اور لفظ تھا جو ابن الندیم پر واضح نہ ہو سکا۔

فراء کے اجداد و یلم سے تعلق رکھتے تھے جو فارس کا ایک صوبہ تھا، اسی بنا پر ان کی نسبت دیلمی آتی ہے۔ ان کے کوفہ میں بسنے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ان کا میل جول جہاں دوسری اقوام کے ساتھ ہوا، وہاں فارسوں کے ساتھ بھی ہوا۔ اس اختلاط کے دور میں فراء کے خاندان کے کوئی صاحب دیلم سے نقل مکانی کر کے کوفہ میں آئے تھے۔ ہجرت کا سبب غالباً کسب معاش تھا یا سکون کی زندگی کی تلاش۔ جو ظاہر ہے مرکز اسلام کے قریب زیادہ ممکن تھی یا پھر وہ اس جذبے کے تحت کوفہ پہنچے جس کے تحت محکوم اپنے حاکم کے علاقے کی طرف اعلیٰ تہذیب و تمدن کے حصول کے لئے جاتا ہے۔ اس خاندان کے افراد کے نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے فتح ایران کے وقت ہی کوفہ منتقل ہو گئے تھے اور یہاں پہنچ کر ان کے خاندان کے کوئی صاحب بنو منقر یا بعض کے نزدیک بنو اسلم سے جو بنو اسد کی شاخ تھی، منسلک ہو گئے تھے۔ بعد میں وہ انہی سے انتساب کرنے لگے۔ چنانچہ فراء کی نسبت الاسلمی اسی وجہ سے ہے۔

فراء کے خاندان کے لوگ بہت اچھے مذہبی جذبات کے حامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زیاد جناب الحسین ابن علی بن الحسین کے ساتھ واقعہ فح میں شریک ہوئے۔ ان کا اٹھ بھی کٹ گیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب

الذریعہ پڑ گیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ میں خلافت موسیٰ العادی کے ایام میں پیش آیا تھا۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خاندان نہ صرف مذہبی تھا بلکہ اس وقت کی سیاسیات میں بھی شریک ہوتا تھا۔ اس خاندان کے ابتدائی مذہب کے بارے میں حتیٰ طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ممکن ہے اہل دہلیم مجوسی مذہب کے پیرو ہوں کیوں کہ یہی مذہب اس دور میں عام طور پر رائج تھا۔ مگر اتنا یقین ہے کہ یہ خاندان بہت قدیم سے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کہ جب مسلمانوں نے ان علاقوں کو فتح کیا تو یہ خاندان حلقہ بگوش اسلام ہوا ہو، اور پھر مرکز اسلام کے قریب رہنے کے لئے بلا دعر بیہ میں منتقل ہو گیا۔ یا پھر اپنے پڑا نے مذہب پر رہتے ہوئے عرب ممالک میں آیا ہو، اور اسلام کی ارفع و اعلیٰ تہذیب سے روشناس ہوتے ہی خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام کے دامن میں پناہ گرین ہو گیا ہو۔ مگر غالب قیاس یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھوں پر ان کے مورث اعلیٰ مسلمان ہوئے تھے، وہ بنی اسلم کے کوئی مجاہد تھے۔ اس لئے اس خاندان میں اسلمی کی نسبت بذریعہ موالات قائم ہو گئی۔ اور یہی طریقہ اس زمانہ میں تعارف کا پیدا ہو گیا تھا۔ مشہور زمانہ امام ابن حنبلہ نے ظاہری بھی اسی طرح موالات کی بنا پر اُموی کہلاتے ہیں۔ اور ایسے ہی امام بخاری جُحفی کہلاتے ہیں۔

فزار کا گھرانہ کوئی امیر کبیر گھرانہ تھا اس لئے فزار کا بچپن نہایت ہی عسرت میں بسر ہوا۔ اس کی غربت اور کم نامی کی وجہ سے ان کے بچپن کے حالات نہیں ملتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فزار ایک ذکی الفہم، دقیقہ سنج اور روشن دماغ کی حیثیت سے جوانی کی عمر میں اچانک دنیا کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کی پہلی زندگی پردہ خفا ہی میں ہے۔

بعض لوگوں کے لقب اور نسبتیں بھی ان کی ابتدائی زندگی پر کسی نہ کسی زاویہ سے روشنی ڈالتی ہیں مگر

۱۔ اس واقعے سے ابن خلکان کو دھوکا ہوا کہ شاید الحسین بن علی شہید کربلا کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اس نے زیاد کے بارے میں اس واقعے کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہوسکتا ہے فزار کا دادا اس جنگ میں شریک ہوا ہو۔ مگر معاملہ یوں نہیں ہے بلکہ وہ الحسین بن علی بن الحسین کوئی اور شخصیت ہے۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ میں فنج کے مقام پر پیش آیا تھا۔ فنج مکہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ابن خلکان کی تہج میں معانی القرآن کے محققین کو بھی یہی غلطی ہوئی ہے۔ اس واقعے کی صحت کے لئے دیکھئے:-

یحییٰ بن زیاد کا لقب الفرار بھی ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ لقب بھی ان کو شہرت کی زندگی ہی میں ملا۔ ان کے لقب فرار کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ یہ لقب اُن کی کسی ایک خصوصیت کی بنا پر دیا جاتا بتایا جاتا ہے۔ فرار کے ایک عام معنی سمور کی کھال سینے یا بیچنے والا ہے۔ مگر یہ خصوصیت نہ فرار میں خود اور نہ فرار کے اجراء میں سے کسی شخص کی معلوم ہوئی ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ نام ان کی زبان شناسی اور تحسین و طلاق کی بنا پر انہیں دیا گیا۔ ان کے بارے میں بڑا مشہور قول ہے:۔ انہ لیفری الکلام۔  
ابن الانباری اپنی کتاب الاضداد میں کہتا ہے کہ، انما سُمی الفرار لانه کان یحسن لنظم المسائل  
فشبه بالخارزندی بخرز الأذیم۔ (فرار کو فرار اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مسائل کو بہت عمدگی کے ساتھ ترتیب دیتا تھا۔ اسی وجہ سے خارز (یعنی چڑا کمانے والے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی) بعض نے کہا ہے کہ:۔  
سُمی فرار لقطعہ الخصوم بالمسائل السنی یحنت بہا۔ (اسی وجہ سے اس کا فرار نام پڑا کہ جو مسائل اسے درپیش ہوتے تھے، ان کے جدل کو اپنے دلائل سے ختم کر دیتا تھا)۔ اس معنی میں لفظ فری کو نہ ہیر نے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

ولأنت تفری ما خلقت ولعوض القوم یخلق ثم لا یفری

حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اُن کو یہ لقب ان کی معلوم زندگی کے کس مرحلے پر ملا۔ مگر اندازہ یہ ہے کہ جب فرار حصولِ علم کے بعد ایک کامل عالم بن چکے تھے اور اپنے دلائل سے وہ اپنے مخالف پر غالب آجایا کرتے تھے، تب ہی کسی کی طرف سے یہ لقب انہیں دیا گیا ہوگا۔

کسی بڑے فاضل کے سوانح لکھنے والے کے لئے اس کی تاریخ ولادت و وفات کا تعین کرنا کچھ زیادہ آسان نہیں ہوتا۔ البتہ تاریخ وفات متعین ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ بالکل عیاں ہے کیونکہ پیدائش کے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بڑا ہو کہ یہ شخص ایک عظیم عالم بنے گا مگر اس کے برعکس وفات کے وقت اُس کی شخصیت مکمل ہو کر افریق شہرت پر جلوہ برینہ ہو چکی ہوتی ہے۔ لہذا ولادت کی تاریخ ازراہ تحقیق نامعلوم اور وفات کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی معاملہ فرار کے ساتھ بھی ہوا۔ سوائے چند ایک کے سب کا اتفاق ہے کہ فرار کی

وفات ۲۰۷ھ میں ہوئی۔ نزہۃ الالباء میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مامون کے بغداد میں داخلے کے تین سال بعد فرار نے وفات پائی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ مامون بغداد میں ۲۰۴ھ میں داخل ہوا۔ اسی طرح نزہۃ الالباء میں تحریر ہے: "توفی الفراء سنة سبع وثمانین فی طریق مکہ وقد بلغ ثلاثاً و ستین سنة۔" یہی تاریخ وفات یا قوت نے معجم الابداء میں لکھی ہے۔ ۵۵۔ مقام وفات کے اختلاف کے ساتھ یہی عبارت تاریخ بغداد میں بھی مرقوم ہے۔ اس طرح فرار کی پیدائش ۲۰۴ھ قرار پاتی ہے۔ اسی تاریخ کو انہیں ٹیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے اور یہی سن پیدائش الزرکلی کی الاعلام میں ہے۔

جس صدی کے وسط میں فرار پیدا ہوا، اس کی ابتداء ہی سے زبان و ادب کے لحاظ سے دو ایسے مرکز علم معرض وجود میں آچکے تھے، جن کی طرف اکتساب علم کی خاطر علماء سفر کیا کرتے تھے۔ ایک

۱۔ یاقوت رومی؛ معجم الابداء مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ ج ۷ ص ۷۷۸ و ابن الانباری؛ نزہۃ الالباء مطبوعہ مصر ۱۲۹ھ ص ۱۳۰۔ ابن الندیم؛ الفہرست مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۸ھ ص ۱۰۰۔ و خطیب بغدادی؛ تاریخ بغداد مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ ج ۱۲ ص ۱۵۵۔

۲۔ ڈاکٹر احمد فرید رفاعی؛ عصر المامون مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۸ ج ۱ ص ۲۶۹۔

۳۔ خیال رہے کہ یاقوت نے معجم ہی میں ایک دوسری جگہ فرار کی وفات ۲۰۴ھ بھی بتائی ہے جو ہندسوں میں تحویل ہے ظاہر ہے اس میں کاتب سے تصحیف ہو گئی ہے۔ اسی طرح سمرقانی کی کتاب الانساب (۲۳۰) میں تسع و ثنتین (۵۲۰۹) ہے، یہ بھی کاتب کا تساج ہے جس نے تسع کو تسع پڑھا ہے یا وہ جلدی میں تسع کو تسع لکھ گیا ہے۔

۴۔ فرار کی ایک کتاب الامام واللیالی والشہرہ مصر سے ۱۹۵۶ء میں ابراہیم الابباری کی تحقیق سے چھپی ہے۔ اس پر محقق نے فرار کا سن ولادت ۱۲۲ھ لکھا ہے۔ اتنے بڑے فاضل سے ایسی غلطی تو ممکن نہ تھی نسبتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے۔ فرار کی عمر کے بارے میں ایک اور اختلاف سیوطی کی بغیۃ الوعاة میں وارد ہوا ہے۔ وہ فرار کی عمر ۶۷ سال بتاتے ہیں۔ اس طرح ان کی پیدائش کا سن ۱۳۰ھ بنتا ہے، ظاہر ہے سیوطی سے بھی مسامت ہوتی ہے یا پھر کاتب کی غلطی ہے۔

تو خود فرار کی مرزبوم کوفہ تھا اور دوسرا بصرہ۔ ان دونوں مراکز کی اپنی اپنی خصوصیات تھیں جو شدت اختیار کر کے بعد میں نحو کے دو مکاتبِ فکر بن گئیں۔ کوفہ میں عربی اور عجمی اثرات کے علاوہ سریانی اثرات بھی جمع تھے۔ مگر اس کے برعکس بصرہ اپنے اندر صرف عربی خصوصیات سمیٹے ہوا تھا۔

فرار نے ابتدائی تعلیم، جیسا کہ عام رواج تھا، قریبی مسجد میں حاصل کی۔ والد اتنے امیر نہ تھے کہ سفر کا خرچ برداشت کرتے۔ اس لئے کافی عمر تک کوفہ ہی میں رہے۔ بعد میں بصرہ کے شیوخ سے بھی استفادہ کیا۔ مگر تکمیلِ تعلیم پھر کوفہ ہی میں آ کر کی۔ زندگی کے آخری سال بغداد میں گزارے۔

فرار نے کتنے سال کوفہ یا بصرہ یا بغداد میں گزارے۔ ان کی تحدید بہت دشوار ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ بغداد میں زندگی کا زیادہ ہی وقت صرف کیا۔ ابتدائی سالوں میں کوفہ کے بعد بصرہ میں قیام رہا۔ وہیں پر بصری علماء سے جن میں ابو جعفر الرواسی سرفہرست ہیں، اکتسابِ علم کیا۔ فرار کے بصرہ جانے سے قبل خلیل احمد الفراهیدی انتقال کر چکا تھا۔

اساتذہ و شیوخ

فرار کے اساتذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لغت میں اس نے ابو زید، ابو عبیدہ، الاصمعی اور سعید بن مسعدۃ الاخفش سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد التوزی نے ایک مرتبہ بغداد میں فرار سے ملاقات کی تو فرار نے اس سے پوچھا: ما فعل ابوزید؟ قلت: (ای التوزی)؛ ملازمِ بیتیہ و مسجدہ و قہ آست۔ فقال ذاك أعلم الناس باللغة و أحفظهم لها۔ و ما فعل ابوعبیدة؟ قلت: ملازمِ بیتیہ و مسجدہ و علی سؤ خلقه۔ فقال: أما إنه أكمل القوم و أعلمهم بأيام العرب و مذاہبها۔ ما فعل الأصمعی؟ قلت: ملازمِ بیتیہ و مسجدہ قال: ذاك أعلمهم بالشعر و اتقنهم لغة و أحضرهم حفظاً۔ و ما فعل الأخفش یعنی سعید بن مسعدۃ؟ قلت: معانی تركته عازماً على الخروج إلى السرى۔ قال: أما إنه ان كان خرج فقد خرج معه النحو كله و العلم بأصوله و فروعہ۔

ان تمام حضرات کے بارے میں فرار کی اس رائے سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے بصرہ کے قیام کے

دوران ان حضرات سے استفادہ کیا ہے۔ درندہ ان کی وسعتِ علم کے بارے میں اپنی فیصلہ کن رائے کا اظہار کیسے کرتا۔ اُس وقت یہ عام قاعدہ تھا کہ لغت میں پختگی حاصل کرنے اور زبان کو حضری آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے طالبانِ کمال بادیہ کا رخ کرتے تھے۔ چنانچہ فرار نے بھی ابتدائی تعلیم کے بعد بدوؤں کے اندر زندگی کا ایک حصہ گزارا۔ ان قبائل کی فہرست بہت طویل ہے، جس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ علاوہ بریں ایسے بدوؤں کے ہاں اصلاحِ زبان کی خاطر لوگ اکثر حاضری دیتے تھے، ان کا وجود بغداد، بصرہ، کوفہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کے اندر بھی تھا۔ چنانچہ فرار نے ان کے سامنے بھی حصولِ زبان کی خاطر زانوئے تلمذتہ کیا۔

فرار کی مشہور و معروف کتاب "معانی القرآن" ہمارے پاس ایک ایسا عظیم ذریعہ ہے۔ جس کے واسطے سے اس کے اساتذہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ نہایت ہی اچھی بات ہے کہ فرار کو جو بات اس کے اساتذہ سے پہنچی ہے، وہ اسے اپنے استادوں کی طرف منسوب کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتا۔ یہ اس لئے کہ اُس دور میں بارہا ایسی بات غیر مستند خیال کی جاتی تھی۔ چنانچہ عام طور پر علماء، جن جن حضرات سے علم حاصل کرتے تھے ان کی روایات کا ذکر ضرور کرتے تھے۔

معانی القرآن کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فرار نے القاسم بن معین، الفضل الضبی، ابو ثمران، ابو الجراح العتیلی، ابو القاسم الفقعسی، ابو نعس، بنو عامر، بنو فقعس، بنو دبیر، بنو کلاب، بنو ابہ، بنو حارث، بنو قنانه، بنو عک، بنو طی، بنو بیجہ اور بنو نمیر میں بہت سے لوگوں سے شعری و نثری ادب سنا اور حفظ کیا۔ اس دوران میں فرار نے صرف مردوں سے ہی نہیں بلکہ عورتوں سے بھی لغت و زبان کا علم حاصل کیا۔ قبیلہ عقیل کی ایک بہت بڑی فصیحہ عورت کے ہاں جس کے پاس اسی مقصد کے لئے بہت سے لوگ حاضر ہوتے تھے، فرار نے بھی حاضری دی۔ اس کے علاوہ غنی قبیلہ کی کسی محبِ ادب شعر خاتون سے بھی شعری ادب حاصل کیا۔ قبیلہ دبیر کی ایک عورت کی خدمت میں بھی وہ حاضر ہوئے۔ ان قبائل کے موطن کو متعین کر کے فرار کے بارے میں حتمی طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کس کس بادیہ اور شہر کا سفر کیا۔ پھر ان لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں علم ہونے کی صورت میں فرار کے حصولِ علم کا وقت بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام کافی محنت و کاوش کا طالب ہے جو سرت

ہمارے بس سے باہر ہے۔

ابھی ان اساتذہ کا ذکر باقی ہے جن سے فرار نے بالواسطہ یا بلاواسطہ حدیث کی روایت کی ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل میں یہ واضح کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ فرار کے ہاں لفظ ”حدثنی“ کس طرح استعمال ہوا ہے۔ یہ تو سب کو علم ہے کہ حدثنی یا حدثنا وغیرہ جو کلمات مشہور محدثین سے مروی ہیں۔ تو وہ حدیث رسول کی روایت کے لئے استعمال ہوتے ہیں فرار نے اس لفظ کو جس طرح استعمال کیا ہے، وہ بالکل جدا معنی رکھتا ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن و حدیث کے معنوں میں یا تشریح کے طور پر کسی استاد سے فرار نے حاصل کی اس کے لئے اس نے ”حدثنی فلان“ کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس طرح جب کہیں کوئی بات اُسے کسی سے ملی تو اس نے اس شخص کا نام دے کر حدثنی لکھ دیا ہے۔ چنانچہ ہم نے ان سب حضرات کو فرار کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ ممکن ہے اس طویل فہرست میں ایسے غیر معروف لوگ بھی نظر آئیں جنہوں نے قرآن و حدیث یا فقہ کے کسی میدان میں کوئی نمایاں خدمت سرانجام نہ دی ہو۔ مگر فرار نے حدثنی کہہ کر ان سے کوئی بات لے لی ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات فرار کے عہد سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں یعنی فرار ان حضرات سے براہ راست تو نہ ملا ہو مگر ان کے تلامذہ سے اُس کی ضرور ملاقات ہوئی ہو۔ تو اس حالت میں صرف یہ جان لینا چاہیے کہ اُس وقت یہ عام عادت تھی کہ جب کوئی شخص کسی مشہور و معروف ہستی کی روایت کسی عام آدمی سے حاصل کرتا تھا تو بیچ کے اس واسطے کو حذف کر جاتا تھا اور براہ راست اس معروف عالم سے اس بات کو اخذ کر دیا جاتا تھا، اور یہ طریقہ اتنا عام تھا کہ اہل علم کا اکثر اس پر عمل تھا۔ چنانچہ سہی وجہ ہے کہ فرار نے بھی چند ایسے علماء روایت کی ہے جو اُس سے پہلے گورچکے تھے مگر اُن کی طرف سے اس حدثنی کہنے پر فرار کے کسی شاگرد نے اُسے بالکل نہ ٹوکا اور نہ یہ انہیں کوئی اجنبی چیز محسوس ہوئی۔ بہر حال اس فہرست سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ فرار نے کس کس مدرسہ فکر سے اکتسابِ علم کیا اور کس کس معمولی اور غیر معمولی شخصیت کے ہاں وہ حصولِ علم کے لئے پہنچا ہے۔

”معانی القرآن“ سے ہمیں فرار کے ان اساتذہ کا علم ہوتا ہے۔ تیس بن الربیع الأسدی، محمد بن ابان القرشی، ابو شہاب حبان، ابو اسحاق الشیبانی، ابن ابی یحییٰ، ابو معاویہ، محمد بن خازم الکوفی الضریری (متوفی ۱۹۰ھ) سفیان بن عیینہ، ابو بکر عیاش، بشار الناطق، محمد بن المنفلط الخراسانی، عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث،

بہرام، شریک بن عبداللہ النخعی، الحسن بن عیاش، عمرو بن ابی المقدام، محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ابوالاحوص سلام، محمد بن عبد العزیز التیمی، عبداللہ بن مبارک، اسمعیل بن حنیفہ، ابواسرائیل، معقل بن حلال، ابویعلیٰ السجستانی، ہشیم، عماد بن الصلف العکلی، مندل بن علی، الحکم بن ظہیر، اور محمد بن علی المرغانی ابوبکر احد رواة عامم۔ ان میں بڑے بڑے محدثین بھی ہیں اور عام درجہ کے اساتذہ بھی۔ مگر فرار کے اخذ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حصولِ علم کی خاطر انھوں نے چنداں تفریق نہیں کی اور جس کسی سے جو کچھ ملا جمع کر لیا۔

## نحوی علم

اُس وقت مکاتبِ نحو میں اس قدر شدت پیدا نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ بعد کے ادوار میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ بصرہ کے لوگ کوئی اساتذہ اور کوفہ کے لوگ بصری اساتذہ کے ہاں کسبِ فیض کی خاطر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرار بھی کئی دفعہ بصرہ گیا ہے۔ بصری علماء میں، جن سے فرار نے اکتسابِ علم کیا، سرفہرست یونس بن حبیب ہیں، جو لغت کے مشہور عالم گزریے ہیں، اور بصری مدرسہ نحو کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مدرسہ کوفہ کے علم بردار اس بات سے منکر ہیں کہ فرار نے یونس بن حبیب سے استفادہ کیا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بصرہ میں فرار نے سب سے پہلے انہیں کے ہاں حاضری دی ہے۔ کئی مقامات پر فرار نے اپنی کتاب معانی القرآن میں ان سے روایت بھی کی ہے۔

اُس وقت تو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، نحو کے دونوں مکاتب میں اس قدر پرغاش نہ تھی اس لئے لوگ بصرہ اور کوفہ کے علماء سے بلا تفریق اکتساب کر لیتے تھے۔ یہ شدتِ اختلاف تیسری صدی میں ظاہر ہوئی۔ اسی دور میں بصری مکتبِ نحو کے اہم رکن یونس بن حبیب سے فرار کی لاطعلقی کے اظہار کی خاطر کوئی مکتبِ نحو کے لوگوں نے یہ بات گھڑی کہ فرار یونس سے ملے ضرور ہونگے مگر اس سے انھوں نے استفادہ نہیں کیا۔ اس بات کا راوی ابو موسیٰ ہے جو فرار کا مخالف بھی رہا ہے۔ ابواسحاق بن السری الزجاج نے ابو موسیٰ کی اس روایت سے انکار کیا ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہونا چاہیے کہ فرار نے یونس ابن حبیب سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کے ساتھ کئی مسابلی لغت و نحو میں فرار کی موافقت کتاب رب



میں جا بجا ملتی ہے۔ فرار نے اُن سے زبانِ داد میں کئی شواہد کی روایت بھی کی ہے۔ اس لئے یہ حقیقت ہے کہ فرار ایک شاگرد کی حیثیت سے یونس کے ہاں بصرہ میں مقیم رہا ہے۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں، فرار نے بصرہ میں یونس بن حبیب کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے لغت، نحو اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر جب بصرہ سے وہ واپس کو ذہ آیا تو ابو جعفر الراسی کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ اور بالآخر یہیں سے کسائی کا مد مقابل بن کر بغداد پہنچا۔

کسائی چند سال قبل الراسی سے فارغ التحصیل ہو کر بصرہ میں غلیں کے شاگرد بن چکے تھے چنانچہ یہیں سے وہ کھیلِ تعلیم کے بعد بغداد چلے گئے تھے۔ ان ایام میں بغداد کعبتِ اعلم بنا ہوا تھا اور دورد نزدیک سے علماء و فضلاء اس کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ خلفائے عباسی علماء کو تدریسی کے طور پر بڑے بڑے مناصب دیتے تھے، چنانچہ کسائی کے بغداد پہنچنے ہی اُنہیں نصیب ہوا کہ وہ اس رشیدی کے ہاں اُس کے بیٹوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا گیا۔

فرار کے مناظرے

کھیلِ تعلیم کے بعد ابو جعفر الراسی نے فرار سے کہا کہ کسائی بغداد چلا گیا ہے تم بھی وہاں چلے جاؤ۔ اور وہیں اس مشورہ سے الراسی کا دو گونہ مقصد تھا۔ ایک یہ کہ فرار بھی بغداد میں قسمت آزمائی کرے اور ظاہر ہے اس کشمکش میں بغداد میں کئی حضرات سے اُس کے مناظرے بھی ہوں گے۔ جو ذہنی جلا کے لئے ایک ضروری امر ہوتا ہے۔ دوسرے الراسی اپنے باغی شاگرد کسائی کے ہوش بھی درست کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ فرار بہت بڑا فطین شخص

۱۲۱۔ مبدی الخردومی، مدرستہ الکوفتہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۸ء ص ۱۲۱۔

۱۲۲۔ معجم الادباء، ج ۶ ص ۲۸۰۔

۱۲۳۔ اس دور میں مناظرہ کھیلِ علم کا ایک ذریعہ بھی تھا۔ ایک فن کی حیثیت سے باقاعدہ اس کی تربیت کی جاتی تھی۔ انسانی ذہن کی کئی خوبیاں مشرک مناظرے ہی سے اجاگر ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرار نے بھی اپنی زندگی میں بیسیوں مناظرے کئے۔ اس کے ان مناظروں سے ہرگز یہ تصور نہ لیا جائے کہ وہ صرف دوسروں کی توہین و ذلیل کی خاطر ایسا کرتا تھا بلکہ اس کشمکش میں بڑھنے والا علم اس کا گوہر مقصود تھا۔ اگرچہ مناظرے نے مشافہین کے ہاں ایک توجیحِ شکل اختیار کر لی۔ مگر اُس زمانہ میں یہ کوئی بُری بات نہ تھی بلکہ اضافہ علم کا ایک ذریعہ تھا۔

تھا اور کسائی کی نسبت لغت میں بھی کمال پیدا کر چکا تھا <sup>۱۱۷</sup>

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رداسی کے کہنے پر نہیں بلکہ فرار کو کسی نحوی نے کہا کہ:۔ کسائی میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے؟ علم نحویں تم اس کے مثیل ہو۔ چنانچہ فرار کو یہ مدح بہت پسند آئی اور وہ کسائی سے مناظرے کی خاطر بغداد روانہ ہو گیا <sup>۱۱۸</sup> بغداد میں آنے کی دونوں روایات دراصل ایک ہی ہیں مگر ان کے موقع و محل جدا ہونے کی وجہ سے وہ الگ الگ نظر آتی ہیں۔ یہی روایت جو ابن الانباری نے اپنی کتاب انباء الرواة میں اور یاقوت نے معجم الادباء میں احمد بن یحییٰ الثعلب کی زبان سے بیان کی ہے وہ اس دور کی ہے جب فرار ابھی کسائی کے معتقد نہیں ہوئے تھے (یہاں یہ بھی خیال رہے کہ فرار متعدد مناظروں کے بعد کسائی سے ملحق ہو گئے۔ اور بعد میں باقاعدہ کسائی کے حواریوں میں شمار ہونے لگے) بلکہ اس کے مد مقابل کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ اسی روایت کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت فرار جوان تھا۔ اس عمر میں اس قسم کا جوش عموماً نظر آیا کرتا ہے۔ مگر دوسری روایت اس عہد کی ہے جب فرار باقاعدہ کسائی کے حلقہ معتقدین میں نہ صرف شامل ہو چکے تھے بلکہ اس کے ہاں تقرب بھی حاصل کر لیا تھا۔ اس زمانے میں جب کوئی شخص ان سے پہلے قول کے بارے میں جو انہوں نے کسائی سے مناظرہ کے ضمن میں کہا تھا، پوچھتا تو فرار اپنے اُستاد ردائی کی طرف اسے منسوب کرنے کے بجائے ”قال نحوی“ کہہ دیا کرتے تھے۔ اس روایت کے آخری کلمات:۔ فسأله کنت طائراً یغرد من البحر بمنقارہ <sup>۱۱۹</sup> کسائی کی خوشنودی کی خاطر کہا کرتا تھا۔ یا پھر بعید نہیں کہ اس آخری دور میں کسائی واقعی علم کا ایک بحرِ زخار بن چکا تھا اس لئے کہ بصرہ اور کوفہ میں حصولِ علم کے بعد اس نے عرب کے بادیہ نشینوں میں بہت دشت نوردی کی تھی اور کئی علماء و اہل زبان کے ہاں حاضری دی تھی۔

جس طرح بعض ادوات ایک ہی اُستاد کے شاگردوں میں اُستاد کی موجودگی میں منافست ہوتی ہے، اسی طرح کسائی کے دونوں شاگردوں اُحر اور فرار میں بھی علمی مسائل پر چٹنگ ہوتی رہتی تھی۔ اُحر عمر میں فرار سے

<sup>۱۱۷</sup> مدرسۃ الکوفۃ - ص ۱۲۱ -

<sup>۱۱۸</sup> الزبیدی: طبقات النحویین واللغویین۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۲ء ص ۱۳۱ و معجم الادباء ج ۵ ص ۱۹۵ -

<sup>۱۱۹</sup> معجم الادباء ج ۵ ص ۱۹۵ -

بڑا تھا۔ اس لئے یہ روایت کسی حد تک منہجی برصداقت ہے کہ فرار نے احمر سے کچھ حاصل کیا ہو۔ اس لئے کہ جب فرار بغداد میں داخل ہوا تو کسائی کا یہی ایک چوٹی کا شاگرد تھا۔ لیکن ہے کسائی نے یہ قاعدہ بنا رکھا ہو کہ اس کے حلقہ میں شامل ہونے سے پہلے احمر سے کچھ حاصل کرنا ضروری ہے۔ مگر بعد میں یہ دونوں آپس میں بحث مباحثہ کر کے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد تقرب اُستاد تھا۔

اس میں شک نہیں کہ جو قدر و منزلت احمر کو ملی، وہ فرار کو کبھی میسر نہ آئی۔ کسائی کے بعد احمر خلیفہ کی اولاد کا مودب مقرر ہوا، اس کے لئے بہت عمدہ اقامت گاہ کا انتظام کیا گیا۔ مگر جس دور میں احمر خلیفہ کا مقرب تھا اس کا دور علمی و فارغ رہا تھا، جو پہلے تھا۔ محمد بن لہیم اہمتری کہتے ہیں کہ جب ہم احمر سے ملنے کے لئے محفل میں جاتے تو خدام، جاہ و جلالت اور شاہی شان و شکوہ دیکھتے۔ ہم یہ بھی دیکھتے کہ احمر کے لباس سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہوتیں۔ وہ ہم سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتا۔ مگر اس کے برعکس جب ہم وہاں سے فراغت کے بعد فرار کے پاس جاتے تو وہ ہم سے ترش روی کے ساتھ پیش آتا اس کے کپڑے بھی اچھے نہ ہوتے۔ وہ اپنے دیوارے پر بیٹھا ہوتا۔ ہم اس کے سامنے ٹھی پر بیٹھ جاتے۔ مگر یہ سب کچھ ہمیں احمر کے جاہ و جلال اور حسن سلوک سے بدرجہا زیادہ پسند آتا۔ بلاشبہ احمر ایک عالم تھا۔ فرار نے بھی اس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ باوجودیکہ ان دونوں میں تمام عمر حقیقت پسندی، سنگردہ ایک دوسرے کے مقام سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ باہمی بعد کے باوجود جب فرار کو احمر کی وفات کا علم ہوا تو اس نے احمر کے گھر پہنچ کر اس کے اہل و عیال سے تعزیت کا اظہار کیا اور کہا: واللہ لقد علمتہ صدقاً سخياً ذکياً عالماً ذا مروءة و مؤدۃ رضی اللہ عنہ۔ اور بالآخر سرت سے کہا کہ: ذہب من کان یخالفتنی فی الخویلیہ وہ مشہور و معروف مناظرہ جو کسائی اور سیبویہ کے مابین ہوا ہے، اس میں فرار بھی موجود تھا۔ اس مناظرے کی تفصیلات، ادب عربی کی کتب میں موجود ہیں۔ یہاں صرف اس حصہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جس میں فرار نے بھی حصہ لیا ہے۔ ان ایام میں فرار کسائی کے اصحاب میں احمر کے پایہ تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ مناظرہ کی جگہ پر احمر اور فرار اپنے اُستاد سے پہلے پہنچے۔ احمر نے سیبویہ پر ابتدائی سوالات کئے۔ سیبویہ جواب دیتا گیا۔ مگر وہ ہر جواب کو غلط قرار دیتا رہا۔ تب سیبویہ نے کہا: ”ہذا سُؤاَدب۔“ اس کے بعد فرار آگے بڑھا اور کہا کہ احمر ذرا سخت ہے اس کے کلام میں تڑپ ہے۔ پھر فرار نے بھی ایک مسئلہ دریافت کیا، جس کا جواب درست نہ تھا۔ اس پر فرار نے سیبویہ سے کہا کہ اپنے جواب پر

نظر ثانی کر لیجئے اور اس طرح تین مرتبہ ما۔ مگر سیبویہ نے تنگ آکر کہا کہ میں تم دونوں سے اب کوئی بات نہیں کروں گا۔ کیا کسائی نہیں آئے گا تاکہ اس سے مناظرہ کروں۔ اتنے میں کسائی بھی آگیا اور اس نے وہ مشہور مناظرہ کیا جس میں شکست کے بعد سیبویہ بہت رنجیدہ خاطر ہو گیا اور اسی غم میں اس کا ۷۰ اہر میں انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد ممکن ہے فرار کا جذبہ نفرت، جو سیبویہ کے باپ میں تھا، بہت بڑھ گیا ہو۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ فرار نے سیبویہ کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

فراء آخری آیام میں کتاب کی طرف کس قدر متوجہ تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

أردت المخرج ابی محمد بن عبد الملك الزیات وزیر المعتم ففكرت فی شئی اھدیہ لہ۔ فلم أجد شیئاً أشرف من كتاب سیبویہ..... قال ابن الزیات: أو ظننت أن خزائننا خالیة من هذا الكتاب؟ فقال الجاحظ: ما ظننت ذلك ولكنهما بخط الفراء ومقابلہ الكسائی وتهدیب عمرو بن بحر الجاحظ یعنی نفسه۔ فقال ابن الزیات هذه أجل نسخة توجد وأعزها۔ (مسئل)

۱۹ لے معجم الادب بار۔ ج ۵ ص ۱۹۱-۱۹۲ و ج ۶ ص ۸۳۔

۲۰ لے۔ (ذنیات الاعیان)۔ ۳ / ۱۳۳۔

معجم الادب (۸۵/۶) میں ہے کہ ”وہ کسائی کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ تھا۔ اور فرار نے مقابلہ کیا تھا اور اس پر نظر ثانی جاحظ نے کی تھی۔“ مگر میں سمجھتا ہوں کہ کسائی کا لکھنا قرین قیاس نہیں بلکہ فرار کا لکھنا زیادہ ممکن ہے۔ پھر معجم میں ہے کہ محمد کے بیٹے ہارون کو یہ نسخہ دیا گیا۔ جو غیر ممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا قوت نے یہ واقعہ محض سن سنا کر لکھ دیا تھا۔ اور اس کی کوئی تحقیق نہ کی تھی۔